

## دربارِ نبوت کی حاضری

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، تصنیف و تحریر کا جو ذوق بارگاہِ خداوندی سے آپ کو عطا ہوا ہے، وہ جداگانہ اور منفرد ہے، جس کا مشاہدہ آپ کی تصانیف کو دیکھ کر کیا جاسکتا ہے۔ زیرِ نظر تحریر ایک سفر نامہ ہے جو آپ نے حج بیت اللہ سے واپسی پر تحریر کیا تھا۔ سفر نامہ کیا ہے؟؟..... بقول مولانا سید ابوالحسن ندویؒ: ”حج کے سفر نامے اور مدینہ طیبہ حاضری کی روادادیں تو اردو میں بہت ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک، دل چسپ اور پُر از معلومات، مفید اور سفر کرنے والوں کے لیے ضروری، لیکن یہ البیلاطریزیان اور یہ عاشقانہ و مستانہ داستان آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی، کہ یہ مولانا کا طرزِ خاص ہے اور کم سے کم اس موضوع کے لیے یہ طرزِ ضروری، مناسب اور مفید ہے کہ شوق انگیز بھی ہے اور ولولہ خیز بھی اور اسی کے ساتھ علم آموز بھی اور خیال افروز بھی“..... حضرت کا یہ دل چسپ سفر نامہ قارئین وفاق کے ذوقِ ادب کی تسکین کے لیے پیش ہے..... (اوارہ)

حضرت مولانا سید احمد مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کا مدرستہ الشریعہ اور حضرت کا دولت خانہ سب سے بڑا ماڈل اور بلحا تھا، ہر ضرورت وہیں سے پوری ہوتی تھی، حضرت والا نے مدینہ منورہ کے غالباً مشرقی سمت میں ایک میدانی زمین کو قابلِ کاشت بنا کر زراعت کا طریقہ صدیوں کے بعد اس شہر میں مروج کیا تھا، مدینہ والے حرث (زراعت) سے قطعاً نا آشنا ہو چکے تھے، ان کا سرمایہ معیشت قیصر کے شہر کی وہ دکانیں تھیں جو النبی کے شہر پر کئی سو سال پہلے وقف ہو چکی تھیں، یا ارضِ فرعون مصر کا پانچواں حصہ جو حریم پر وقف تھا، شاید نیل اور بل پر ان کی نظر بھی نہیں پڑی تھی، کھجور کے باغوں کے لئے کدالوں اور پھانڈوں کی کھدائی کافی تھی مگر مولانا نے نیل بھی نجد سے منگوائے، ایشیا کو چمک کے ایک ترک کو ملازم رکھا جو زراعت کا ماہر تھا، ایک قدیم کنواں جو اس علاقہ میں تھا اس کو صاف کرایا گیا، اونٹوں سے چرس کشی کا کام لیا جاتا تھا، اپنا پشتی پیشہ زراعت ہی تھا اور اب بھی ہے، اس مناسبت سے عصر کے بعد عموماً حضرت والا کی اس جدید کاشت کی طرف چلا جاتا اور مدینہ کے ان میدانوں میں ان ہی چیزوں کو ڈھونڈتا پھرتا جس کے ڈھونڈنے کے سوا مومن کا کوئی دوسرا لذیذ مشغلہ نہیں ہو سکتا، اسی عرصے میں قبا کی مسجد کی حاضری کی سعادت بھی کبھی تنہا کبھی رفقا کے ساتھ میسر آئی، تنہائی کی سیر کا وہ

لطف، اس لطف کے مزوں سے اب بھی دل لذت گیر رہتا ہے، راستہ کھجوروں کے ہرے بھرے باغوں سے آراستہ تھا، باغوں میں کھجوروں کے سوا انار، انگور کے درخت اور بیلبلیں بھی نظر آئیں، طرح طرح کے پرندے درختوں پر چھپاتے، کبھی کبھی پانی کے کڑھے کے کنارے بگلے بھی اڑتے ہوئے دکھائی دیئے، کہیں فاختہ پر بھی نظر پڑتی، بیر اریس پر چرس چلتا رہتا، شفاف پانی نالیوں میں بہتا رہتا، اریس کے من پر بیٹھ کر پاؤں لٹکاتا، بیٹے ہوئے دنوں کو یاد کرتا، انہی دنوں کو جو اس دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔

ایک ہفتے کے بعد ہی دل کی کیفیت یہ ہو گئی کہ مدینہ کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔ ہندوستان کے اعزاء و اقرباء، جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری، ہر چیز دماغ سے نکل گئی، یہ قطعی فیصلہ دل کا ہوا، زبان کا ہوا، ذائقہ کا ہوا کہ جو پانی یہاں پینے کے لئے مل رہا ہے، نہ پہلے کبھی کسی ملک میں ملا تھا اور نہ آئندہ ملے گا، نہ اتنا مینو سواد ماحول، نہ یہ رعنائیاں، یہ زیبائیاں کہیں اور میسر آئیں گی، نیند جیسی وہاں آتی ہے، کہیں نہیں آتی، سرور و نشاط سے دل جتنا لب ریز ہوا، کبھی نہیں ہوا، دوسروں سے پوچھتا تھا تو وہ بھی یہی کہتے تھے۔ جنت میں داخل ہو جانے کے بعد اس سے باہر ہونے کی حماقت میں کون مبتلا ہوگا، دل اس سوال کو اٹھاتا اور اس ارادہ میں جھٹکی ہوتی چلی گئی کہ جب رفقاء جانے لگیں گے تو رفاقت سے وقت پرانکا کر دوں گا۔ پہلے پندرہ روز تک اس خیال کا تسلط رہا۔ اس کے بعد کیا ہوا، بہت سی ناگفتنی کو گفتنی بنانے کے ارادے کے باوجود اس کو ناگفتنی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔

بہ مستوراں مگو اسرار مستی حدیث جان چرس از نقش دیوار  
ہاں! اس عرصے میں ”سعودی عرب“ کے بادشاہ اس وقت اس ملک کے لئے نئے بادشاہ تھے۔ ”بادشاہ حج“ ریاض سے مدینہ منورہ بھی پہنچے، مولانا عبدالماجد جو باوجود سب کچھ ہونے کے کم از کم اس وقت تک اپنے ساتھ اخبار کے ایڈیٹر ہونے کی حیثیت رکھتے تھے، ان کا خیال ہوا کہ عرب کی اس جدید حکمران سے ملاقات کرنی چاہئے۔ امیر مدینہ سے مل کر بات طے ہوئی، ترجمانی کے لئے اپنے ساتھ اس فقیر کو بھی مہر کا بی کا حکم مولانا کی طرف سے دیا گیا، حکم کی تعمیل کی گئی۔

کرسیوں اور صوفوں کی طویل قطار تھی، جس پر نجدی عقال ماندھے حکومت کے حکام بیٹھے تھے، ان میں ”بادشاہ“ کون ہے، اس کی تمیز سخت دشوار تھی، وہی سرخ دھاگوں والا رومال اور سیاہ بالوں والی عقال سب کے سروں پر تھا، مولانا عبدالماجد صاحب حسب وعدہ پہلے امیر مدینہ سے ملے اور خواہش ظاہر کی کہ بادشاہ سے وہی تعارف کرا دیں، مگر معلوم ہوا کہ امیر صاحب پر بے بسی طاری ہے، گھبرائے گھبرائے سے ہیں، تب فقیر نے ذرا جسارت سے کام لیا، قطار پر نظر کی، ایک معمر آدمی تصویروں سے، جس کی صورت کچھ پہچانی سی تھی اور اس کے صوفے پر دائیں بائیں دو نیچے پڑے ہوئے تھے، یہی شاید سب سے بڑی امتیازی علامت بادشاہ کی تھی، الغرض اسی کی طرف بڑھ کر فقیر نے سلام عرض کیا، مصافحہ کے

لئے ہاتھ بڑھایا، بادشاہ صوفی سے اٹھ کھڑے ہوئے، سلام کا جواب دیتے ہوئے مصافحہ کیا، پھر چھاکہ کہاں کے ہو؟ بتایا گیا اور ساتھ ہی مولانا عبدالمجاہد کا ان الفاظ کے ساتھ تعارف کرا دیا گیا کہ یہ ایک اخبار کے مدیر ہیں، آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں، اس پر بادشاہ نے کہا کہ ضرور میں ان سے باتیں کروں گا، مگر اس کے لئے اس مجلس کا موقع مناسب نہ ہوگا، آپ لوگ کل دارالامارہ میں ۸ بجے صبح کو ملے، بس اسی پر گفتگو ختم ہوگئی۔ کل کا وعدہ لے کر واپس ہوئے، دن تو خیر گزر گیا، مگر جوں ہی خواب گاہ میں لیٹا، خیالات کا جھوم شروع ہوا، پوچھنے والا تو نظر نہیں آتا تھا، لیکن پوچھا جا رہا تھا کہ تم کیا یہاں مسلمانین اور حکام سے ملنے آئے تھے؟ کیا بادشاہوں کی دنیا میں کمی ہے؟ جہاں تم رہتے ہو، وہاں کے بادشاہ سے تو تم کبھی ملے نہیں، لیکن یہاں آ کر تم نے یہ کیا حرکت کی؟ پھر اب کیا کروں، وعدہ ہو چکا ہے، مولانا عبدالمجاہد چھوڑیں گے نہیں، رات آنکھوں آنکھوں میں کٹ گئی، کرڈوں پر کرڈیں بدلتا رہا، صبح ہوئی نماز کے بعد مولانا کی قیام گاہ پر حاضر ہوا، دیکھا بخار میں مبتلا ہیں، آج کا بخار میرے لئے موجب شکر بن گیا، اسی وقت ایک مختصر سارقتہ امیر صاحب مدینہ کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا گیا کہ اخبار کے جن مدیر صاحب کے لئے وقت ملاقات حلالۃ الملک نے مقرر فرمایا تھا، اتفاقاً ان کو بخار آ گیا ہے، اس لئے حاضری سے معذور ہیں، جواب آیا کہ اچھا، اس وقت تو مکہ معظمہ جارہے ہیں، حج کے بعد وہیں ملاقات ہوگی، قصہ ختم ہو گیا اور بحمد اللہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، تیس دن سے اس زائد مدت میں بیسیوں واقعات پیش آئے، جن کا ذکر موجب تطویل اور غیر ضروری بھی ہے، زیادہ اثر جدید مدینہ کے جدید باشندوں کی مہمان نوازیوں کا تھا، عموماً مسلمہ دینوں کے پیٹ میں پلاؤ پکایا جاتا تھا، جس میں علاوہ دوسری چیزوں کے بھنے ہوئے بادام اور تخم خیار بھی ہوتے تھے، اس کھانے کا نام ”مشائز کوزی“ تھا، بعض شامی کھانے بہت لذیذ تھے، گوشت تو بچ پوچھئے تو صرف دینوں ہی کا ہوتا ہے، بافرط مختلف شکلوں میں پیش ہوتا تھا، دودھ کی بھی کمی محسوس نہ ہوئی، تقریباً ہر اچھے گھرانے میں بکریاں پللی ہوئی تھیں، دیکھنے میں دہلی پتلی، لیکن سیر ڈیڑھ سیر سے معلوم ہوا کہ کم دودھ نہیں دیتی ہیں، برسم ایک قسم کا ہر اچارہ ہے، جس کی کاشت کھجور کے باغوں میں بکثرت مروج ہے، علی الصباح ”لحلولی“ (کھجوروں کی کاشت اور ان کے باغوں کی نگرانی کرنے والوں کو لحلولی کہتے ہیں۔ امامیہ فرقہ کے لوگوں کو مدینہ کی شہری آبادی میں جگہ نہیں ملتی تھی، لحلولوں میں ٹھہرنے لگے، ان ہی کے اثرات سے عموماً یہ شیعہ ہو گئے ہیں، اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں) لوگ کندھوں پر اسی برسم کو کاٹ کاٹ کر شہر میں لاتے اور بطور راتب کے گھروں میں ایک دو بو جھے اس کے ڈالتے جاتے، پانی عموماً حبش عورتوں کو دیکھا کہ قیام گاہوں کو پہنچاتی ہیں، کپڑوں کو دھونے کا نظم اس شہر میں دلچسپ تھا، بیویوں پر کھانے پکانے کا بار کم ڈالا جاتا ہے، روٹیاں بازار میں پکوائی جاتی ہیں، صرف سالن لوہے کے چولہوں پر پکایا جاتا ہے، مکان کے کسی گوشے میں کھدکھد ہوتا رہتا ہے، اسی لئے مدینہ کے مکانات بڑے صاف و پاک تھرے معلوم ہوتے ہیں، عورتوں کا وقت بہت بچتا ہے، اسی میں اپنے شوہروں اور بچوں کے کپڑے وہ دھو لیتی ہیں اور خوب اچھا دھوتی ہیں، ہر گھر میں معلوم ہوا کہ استری کا

سامان بھی لازمی طور پر رہتا ہے، یہ بیوی پر الزام ہوتا ہے کہ اگر شوہر کے کپڑے نا صاف یا داغ دھبے والے ہوں، فرض ہے کہ باہر نکلنے سے پہلے اپنے خاوند کے لباس جوتے وغیرہ کو بیوی دیکھ لے، پالش کی ضرورت ہو تو پالش کر دے، قبوہ یا شامی (چائے) کا دور تو ہر وقت چلتا رہتا ہے، لیکن اصلی کھانا اس زمانے میں دیکھا کہ عموماً عصر و مغرب کے بعد لوگ کھاتے ہیں، درمیان میں ہلکے پھلکے ناشتوں سے کام نکال لیا جاتا ہے۔

دعوت کرنے والے بزرگوں کے متعلق عموماً دیکھا کہ باہر سے آنے والے زائرین، دعوت کے بعد ان کے ساتھ مخفی طور پر کچھ حسن سلوک بھی کرتے ہیں، اچھی بات معلوم ہوئی، مگر ایک دفعہ سخت ذلت بھی اٹھانی پڑی، مسجد نبوی کے باب مجیدی پر ایک کتب خانہ تھا، ایک صاحب معلم الصبیانی کا کام انجام دیتے تھے، ان سے تعلق پیدا ہوا، دعوت پر مصر ہوئے، قبول کی گئی، فارغ ہونے کے بعد مصافحہ کے وقت حسب دستور کچھ پیش کیا گیا، اللہ اللہ اس وقت ہمارے ان مدنی بزرگ کے چہرے کی سرخی، فرما رہے تھے، تم نے کیا مدینہ کے ہر باشندے کو گنداً گنداً رکھ رکھا ہے، کیا دعوت اسی لئے کی جاتی ہے؟..... شرم سے گردن جھک گئی، زمین میں گڑ گیا، معذرت خواہ ہوا، جرم معاف کیا گیا، بڑی مہربانی فرماتے رہے، چلتے ہوئے آبار سبعہ (یعنی مدینہ کے وہ سات کنویں جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ لعابِ دہن عالمین کے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پانی میں شریک ہے۔ مسجد نبوی کے ان معلم صاحب کا نام محمد بن سالمین تھا، مکتب خانے میں بچوں کی سزا کا اصول دلچسپ تھا۔ قصور وار بچے کی طرف استاد کسی اصطلاحی اشارے سے نظر کرتا، سارے بچے مجرم کو ٹپک دیتے اور دونوں ٹانگیں اس کی اوپر کردی جاتیں، تلوے پر استاد ایک دو چھڑی لگا دیتا، یہ بات پسند آئی، تلوے کی کھال موٹی ہوتی ہے، تکلیف کا احساس کم ہوتا ہے) کا پانی ایک ٹن میں اپنے مصارف سے منگوا کر حوالے کیا، یہی پانی پہلی سوغات تھی، جو مدینہ منورہ سے اس لئے ساتھ رکھی گئی کہ اپنے گاؤں کے اس کنویں میں ملا دیا جائے گا جس کا پانی عمر بھر پینا ہے، اسی کے ساتھ کھانے کا خیال بھی آیا، یعنی کھانے میں بھی مسلسل ایسی چیز ملتی رہے، جس میں مدینہ منورہ کا کوئی جز شریک ہو، خیال گزرا کہ ترکاریوں اور بعض غلوں کے بیج حاصل کر لئے جائیں، بآسانی مل گئے، ہندوستان تک پہنچے، ارادہ بھی تھا کہ ان ہی بیجوں سے کاشت کر کے ترکاریاں اگائی جائیں گی، لیکن جن لوگوں کے سپرد کیا گیا، انہوں نے زیادہ توجہ سے کام نہ لیا، تاہم کدو اور شلجم کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

ذیقعدہ کا مہینہ اب تقریب ختم ہونے کو آیا، حج کا مہینہ ذوالحجہ نزدیک آنے لگا، حج کی تیاریوں میں لوگ مصروف ہوئے، اسی عرصے میں ایک دن اخت العرفات (مد ظلہا) مولانا عبد الماجد کی اہلیہ محترمہ نے خاص آدمی بھیج کر اپنی قیام گاہ پر بلوایا، حاضر ہوا، انہوں نے اپنا ایک خواب سنایا، عجیب خواب ہے، وہ اودھ کی رہنے والی ہیں، فقیر کی مرحومہ والدہ غفر اللہ لہا جو کئی سال پہلے وفات پا چکی تھیں، بہار کے ایک دیہات کی رہنے والی تھیں، انہوں نے ساری زندگی ریل گاڑی نہیں دیکھی تھی، ان کا سفر اپنے میکہ (موضع استھانواں) سے گیلان تک محدود تھا، مگر ماجد میاں کے گھر والوں نے سنایا،

میں نے خواب میں دیکھا کہ ”گھر میں میرے کوئی تقریب ہے، میں کھانا لوگوں میں تقسیم کر رہی ہوں، اتنے میں دیکھتی ہوں کہ ایک بیوی صلیبہ جن کی شکل و صورت ایسی تھی، وہ فرما رہی ہیں کہ اس کھانے میں کیا ہمارا حصہ نہیں ہے؟ ماجد میاں کے گھر نے کہا کہ آپ ہیں کون؟ بولیں کہ تمہارے ساتھ مناظر احسن جو آیا ہے، میں اس کی ماں ہوں، اپنے بچوں کے ساتھ یہاں چلی آئی ہوں۔“

یہ عجیب خواب تھا، آنکھیں اشک آلود ہو گئیں، ماں کی وہ گودی یاد آگئی، جس میں اتارا گیا تھا، کھلا تھا، کھلایا گیا تھا، مولانا ماجد کے گھر نے شکل و صورت حلیہ جو بیان کیا تھا، وہ مرحومہ والدہ پر منطبق بھی تھا، یہی تعبیر سمجھ میں آئی کہ اپنی طرف سے حج کرانے کی آرزو انہوں نے ظاہر کی ہے، وہ بڑی نیک خاتون تھیں، غربا پروری ان کی فطرت تھی، اس سے زیادہ اور کیا عرض کروں، میری تو بہر حال وہ ماں ہی نہیں، بہت کچھ ہیں، اٹھا، مولانا سید احمد صاحب مرحوم سے واقعہ کا ذکر کیا، حج بدل کی کوئی صورت یہاں ہو سکتی ہے، مولانا نے ایک صاحب کو تیار کیا، مدینہ منورہ سے میرے ساتھ چلنے کا وعدہ انہوں نے بہ نیت حج بدل فرمایا۔

اب وقت بالکل سر پر آ گیا، ارادہ پہلے سے تھا کہ پہلی ذوالحجہ کو ہمارا قافلہ مدینہ منورہ سے نکل پڑے گا، مگر لاری والوں کی طرف سے کچھ ایسے معاملات پیش ہونے لگے کہ دل دھڑکنے لگا، آج نہیں کل، کل نہیں پرسوں، بات ٹلنے لگی، ہاتھ پاؤں پھولنے لگے، کیا ہوگا، کیا ہم کم نصیبوں کے مقدر میں حج نہیں ہے، سب سے زیادہ متاثر فقیر تھا کہ اسی کے اشارے سے لوگ مدینہ چلے آئے تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لاری والوں کے ساتھ کیا کیا جائے، حکومت کی زنجیر بھی کھٹکھٹائی گئی، مگر وہاں سے بھی چنداں حوصلہ افزا جواب نہ ملا، پریشانی کا عجب عالم تھا، اسی عرصہ میں ایک اور بات ایسی پیش آئی جو بھلائی نہیں جاتی، ہمارے ساتھ جہاز میں تعلق داران لکھنؤ میں سے ایک صاحب محمد علی نامی بھی تھے۔ عرف عام میں ان کو لوگ ”محمد علی چرڈ“ کہتے تھے، خدا جانے اب زندہ بھی ہیں یا نہیں، خود امامیہ مذہب رکھتے تھے، مگر بیوی ان کی سنی خاندان کی تھیں، بیوی کوچ کا شوق ہوا، محمد علی صاحب ایک ایڈوکیٹ انگریزی خواں لیڈر قسم کے آدمی تھے، اپنی بیوی کو بمبئی تک پہنچانے کے لئے بمبئی آئے، مگر بمبئی میں خیال ہوا کہ ذرا آگے بڑھ چلو، جہاز پر سوار ہو گئے اور مدینہ منورہ تک وہ بھی ہماری تقلید میں ساتھ آئے، ان کی موٹر الگ تھی، مسجد نبوی میں احرام باندھ کر روضہ طیبہ پر رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ فقیر بھی مسجد کے کسی گوشہ میں تھا، رخصت ہو کر چہرہ صاحب چلنے لگے، تو مجھ پر نظر پڑی، سامنے آئے، ہوش و حواس غائب تھے، صرف یہ کہتے جاتے تھے:

”مولانا! گیا تھا، کہہ کے آیا ہوں، آج آستانہ پر حاضر ہوا ہوں، کل جب وقت روائگی کا ہوتا آپ بھی

تشریف لائے گا۔“

آنکھیں سرخ اشکبار تھیں، روتے جاتے تھے، رلاتے جاتے تھے، ان کا روانہ ہو جانا اور غضب ہوا، قافلہ والوں

میں گونہ برہمی پیدا ہوئی، نزلہ کا رخ زیادہ تر اسی دیوانے کی طرف تھا، اسی نے سب کی راہ ماری، حج سے محروم کیا، چپ تھا، کیا خود ہی نہیں، بلکہ اپنے جرم میں دوسروں کو بھی ان کے حج سے محروم کر دیا جائے گا۔

چرو صاحب چل دیئے اور جو بھی جانے والے تھے، مسلسل جا رہے تھے، ہماری کمپنی اب بھی صبح وقت نہیں بتا رہی ہے، شعبہ بازیوں سے کام لے رہی ہے۔ رات کا وقت تھا، رباط جس میں مولانا عبدالباری، ان کے والد، والدہ کے ساتھ یہ فقیر بھی مقیم تھا، سب سوئے ہوئے تھے، اسی فکر میں سوئے تھے کہ دیکھئے کل کیا صورت پیش آتی ہے، کیونکہ غالباً ذوالحجہ کی ۳ بھی گزر چکی تھی، ۴ تاریخ تھی، تین بجے کا وقت ہوگا، ہم لوگوں سے دور مولانا کی والدہ آرام فرما رہی تھیں کہ اچانک ان کی طرف سے ”پیارے پیارے“ کی آواز بھرائی ہوئی آنے لگی، یہ مولانا عبدالباری کا خانگی نام بچپن کا تھا، ان کی والدہ اب بھی زیادہ تر اسی نام سے مولانا کو پکارتی تھیں، میری آنکھیں بھی کھل گئیں اور مولانا والدہ کے پاس دوڑے ہوئے پہنچے، کیا ہے اماں کیا ہے اماں! ان کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں، ان ہی ہچکیوں میں ملی ہوئی آواز کے ساتھ فرما رہی تھیں۔

”میں نے ابھی خواب دیکھا ہے، دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں، دل میں القا ہوا کہ خود مینہ والے سرکار ہیں، (صلی اللہ علیہ وسلم) سامنے لاری کھڑی ہے، ہم لوگوں کا اسباب بھی پڑا ہوا ہے، حکم دیا جا رہا ہے کہ ان مسافروں کو جلد سوار کرو، ان کو فوراً حج کے لئے مکہ پہنچاؤ۔“

یہ یا کچھ اسی قسم کے الفاظ تھے، شاید یہ بھی مولانا کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ خود ہی کچھ اسباب کو اٹھا اٹھا کر لاری میں دیکھا کہ وہ ڈال رہے ہیں۔

گفتی سر توبہ فتراک ماسزو سہل است اگر تو زحمت این باری کشی  
خاکسار بھی سن رہا تھا، ہوش جاتے رہے، چیخ نکل گئی، مولانا کے والد بھی بیدار ہو گئے، اب کسی کو کسی کی خبر نہ تھی، یہ کیا ہے، یا اللہ یہ کیا ہے، گریہ وزاری میں رات کٹی۔

نظر جانب ہر گنہ گار داری..... کے تجربوں کا اعادہ مسلسل ہو رہا ہے، صلوات اللہ علیہ وسلامہ گہاں ہندوستان کے چند ٹوٹے پھوٹے نام کے مسلمان حقیر ذرے اور کہاں غیب و شہادت کا آفتاب عالم تاب، مرکز کائنات ایمان کے ساتھ حاضر ہونے والوں کو سلامتی کی دعا سے سرفرازی بخشی جائے، اس قرآنی حکم کی تعمیل شکل کا یہ کتنا اچھا مشاہدہ تھا، ایمان کے ساتھ ایمان کے عملی اقتضاؤں کی تکمیل کرنے والے کن نوازشوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں، ان کا کون اندازہ کر سکتا ہے، خالق کائنات کے ساتھ نسبت کی صحیح کائنات کے ذرہ ذرہ کی نسبت کو درست کر دیتی ہے، اس راز کو وہ کیا پاسکتے ہیں، جو مخلوق سے مستفید ہونے کے لئے مخلوق ہی کو پوج ڈالتے ہیں، وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ خالق سے دور ہو کر اسی خالق کی مخلوق سے کیسے قریب ہو سکتے ہیں؟

خیر صبح ہوئی، مسجد نبوی میں نماز ادا کر کے واپس لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں کمپنی کا نمائندہ ملا، تیار ہو جاؤ، لاری بس

اسی وقت کھلے گی، مسرت کی لہر دوڑ گئی، قافلہ کے لوگ تیار ہو گئے، سوار ہو گئے اور ۴ ذوالحجہ کو مدینہ منورہ میں تھے، شاید ۵ کی شام کو وہ مکہ معظمہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے۔

مور مسکیں ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائے کبوتر زد و نگاہ رسید  
کا قصہ بجائے قصہ کے واقعہ بنا ہوا تھا، شاید ڈیڑھ دن میں راستہ طے ہوا، نکلنے کا خیال تو دل سے پہلے ہی نکال دیا گیا تھا۔ اس لئے مدینہ سے نکلنے پر جس کیفیت کا اندیشہ تھا، الحمد للہ کہ وہ طاری نہ ہوئی، ذوالحلیفہ (بیر علی) میں گاڑی رکی، سامنے مسجد قحی، مسجد کے پاس صاف و شفاف پانی سے بھری ہوئی ایک کافی عریض و عیسق باوڑی (کنواں) تھی، خوب نہائے تیرے اور مسجد میں آکر احرام باندھا، الفاظ کہاں ہیں جو شکر و امتنان کے جذبات کی ترجمانی کی گنجائش رکھتے ہوں۔

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے جو کچھ کہ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا  
مدینہ منورہ کی منزل ختم ہو گئی، رسول کے دربار سے باریاب ہو کر اب اللہ کے بندے اللہ کے دربار میں تھے جس کا قصہ ان شاء اللہ دوسرے حج نمبر میں زندگی نے وفا کی تو سنایا جائے گا۔

مدینہ منورہ میں آستانہ نبوت کبریٰ کے سوا دوسرا مقام جہاں زمین پر وہ سب کچھ مل جاتا تھا جو شاید آسمانوں میں بھی نہ ملے، وہ جنت البقیع کی خواب گاہیں تھیں جن جن کی تلاش تھی، سب وہیں مل جاتے تھے، صبح و شام اس کا پھیرا ہوتا تھا، اُحد کے دامن میں بھی گزر گاہ کا موقع دیا گیا، عقیق کی ندی جو دامن اُحد میں گویا ایک برساتی نالہ ہے، اس کے پانی سے وضو کیا، ایک دن مدینہ میں بارش کا لطف بھی حاصل ہوا، مسجد نبوی کی میزاب کے نیچے غسل کرنے والوں نے غسل کیا، الغرض ایک مہینہ تین دن کی سیدت زندگی کی ایسی مدت تھی، جس کی نظیر پچاس ساٹھ سال کی طویل مدت میں نہ ملے، نہ مل سکتی ہے۔

**بقیع کا ایک واقعہ:**..... اس سلسلے کا ایک ارتسام ذہنی ایسا ہے جو منائے نہیں مٹا، بقیع کی جنت کی سیر میں تنہا مصروف تھا کہ اچانک ایک سرخ و سپید چھریرے بدن والے نوجوان کلمہ سیاہ داڑھی سے بھرا ہوا، سامنے سے گزرتے ہوئے معلوم ہوئے، انہوں نے مجھے دیکھا، میں نے ان کو سلام کیا، سلام سے راہ و رسم کی ابتداء ہوئی، دریافت سے معلوم ہوا کہ مراکش وطن ہے، مجھ سے پوچھا گیا تو کہاں کا ہے؟ ہند، جواب دیا گیا، اسی کے بعد واقعہ پیش آیا ہے، مراکش نوجوان نے عربی میں کہا کہ ہندوستان پر تو انگریزوں کی حکومت ہے، ہاں کہتے ہوئے فقیر نے عرض کیا کہ مراکش پر بھی تو فرانس قابض ہے، اس فقرے کے بعد پھر کیا ہوا؟..... میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان مراکش مجھ سے لپٹا ہوا ہے، سامنے قبہ خضراء تھا، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے بلبلاتے اور چیختے ہوئے وہ کہہ رہے تھے، یا رسول اللہ! إن امتك في الأسر في اسر النصاری۔ (یا رسول اللہ آپ کی امت قید و بند میں گرفتار ہے، نصاریٰ کی قید و بند میں) وہ بھی رو رہے تھے، اور جس کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے، وہ بھی رو رہا تھا، دونوں کی التجا کا رخ ایک ہی طرف تھا، مغرب اقصیٰ اور مشرق کے دور دراز کے دو باشندوں کا جو درمیانی مقدس رابطہ تھا، اسی سے عرض کر رہے تھے، کچھ دیر یہ وقت بھی خوب گزرا

اور جس وقت موجب مبارک میں ہندی، جاوی، بخاری، شامی، مغربی، ایشیائی، افریقی، گورے کالے، لال پیلے، اونچے اونچے قد والے چھوٹی چھوٹی قامت رکھنے والے طرح طرح کے لوگ رجوع ہوتے، سلام عرض کرتے، خدا جانے دوسرے کن نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتے تھے، یا اب بھی دیکھتے ہیں، لیکن اچانک اپنے خیال کے سامنے حشر کا میدان آجاتا، وہی میدان جہاں بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح آدم کی اولاد ماری ماری پھرے گی اور العالمین کے رسول پر ایمان لانے والی امت اپنے رسول کو ڈھونڈھے گی اور پائے گی، آج ایک ہلکا سا نقشہ اسی میدان کا سامنے تھا، دیر تک اس کے نظارے میں غرق رہتا، بجلی کی طرح دل پر واردات گزرتے، گزرتے رہتے۔

سچی بات تو یہی ہے کہ ہر طرف یہاں بجلی ہی بجلی، برق ہی برق، نور ہی نور تھا، صرف روشنی تھی، تاریکی کا نام نہیں تھا، صرف سکون تھا، بے چینی کا پتہ بھی نہ تھا، صرف محبت تھی، محبت ہی محبت کا چشمہ فوارے کی طرح چھل رہا تھا، ابل رہا تھا، صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

ہاں! ایک آخری بات بھی سن لیجئے، مدینہ منورہ پہنچ کر اکیس آدمیوں کا یہ قافلہ مختلف قیام گاہوں میں تقسیم ہو گیا، مولانا عبد الباری، ان کے والدین اور فقیر کا قیام ایک ہی جگہ تھا، قیام کے ساتھ ہم چاروں کے طعام کا نظم بھی مشترک تھا، روانگی سے پہلے حساب کیا گیا کہ ایک مہینہ تین دن میں طعام کے مصارف کیا ہوئے، کھانے میں فراخ دل اور وسعت سے کام لیا جاتا تھا، ناشتہ میں چائے کے سوا کباب، انڈے، دہی اور طرح طرح کی چیزیں بھی شریک رہتی تھیں، یہ صحیح ہے کہ غیر تاریخی گرائی جس کا تجربہ جنگ عظیم کے بعد والی جنگ اعظم کے بعد دنیا کو ہوا ہے اس کا ذکر تو شاید بنی نوع انسانی کو تاریخ کے کسی دور میں اس کا سان گمان بھی نہ ہوا ہوگا اور موجودہ زمانے کے لحاظ سے نسبتاً ارزانی ہی تھی، لیکن جنگ اعظم نہ سہی، یہ سفر ہم لوگوں کا جنگ کے بعد ہوا تھا، عرب جنگ عظیم سے غیر معمولی طور پر متاثر تھا، مسلسل انقلابوں سے اس ملک کو گزرنا پڑا تھا، عربوں کو پیار کرنے والی حکومت ترکی کا اقتدار عرب سے ختم ہو چکا تھا، اس لئے ہندوستان کے لحاظ سے وہاں غیر معمولی گرائی تھی، بھاد تو اب یاد نہیں رہا، مگر پھر بھی غیر معمولی گرائی ہی تھی۔

مگر مولانا عبد الباری صاحب نے جب حساب کیا تو وہ کچھ بھونچکے سے ہو کر رہ گئے، میں بھی سن کر حیران تھا، جب مولانا فرمانے لگے کہ ایک مہینہ تین دن کی اس پوری مدت میں فی کس آٹھ روپے کا حساب پڑتا ہے، کل آٹھ روپے، جس میں کھانا بھی ہے اور ناشتہ بھی اور چائے بھی، کچھ تکلفات بھی، بار بار میزبان کی جانچ کی گئی، مدوں کو دیکھا گیا، لیکن آٹھ سے آگے یہ عدد کسی طرح نہ بڑھا، مجبوراً تسلیم کرنا پڑا کہ مہمانی میں درحقیقت یہ سارے دن گزرے، آٹھ کا عدد بھی صرف ”پردہ“ تھا۔

اس محسن کریم کے قربان جائیے احسن جس کا صورت احساں میں نہ تھا